ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر طاہرہ صدیقہ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، کنئیر ڈ کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد نوید
صدرِ شعبۂ اُردو، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت بلتستان

تبسم کاشمیری بطور ادبی تاریخ نویس

Dr. Tahira Siddiqa
Assistant Professor, Kinnaird College for Women University Lahore.
Dr. Muhammad Naveed
Head of Urdu and Regional Language Department, Karakoram International University Gilgit-Baltistan.

Tabassum Kashmiri as A Literary Historian

This research article analyzes Dr. Tabassum Kashmiri's Urdu Adab ki Tarikh in the context of other histories of Urdu. His modern trends, unique style, and new ideas have been identified. This has led to an attempt to figure out his position as a literary historian.

Key Words: *Tabassum Kashmiri, Urdu Adab ki Tarikh, History of Urdu, Urdu Research.*

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا بنیادی ادبی حوالہ شاعری ہے مگر اُنھوں نے نئی شاعری کے تجربات اور لسانی تشکیلات کی نظریہ سازی کے علاوہ بہت سی ادبی خدمات انجام دیں۔ شاعری کے بعد اُن کا زیادہ تر کام تحقیق اور تنقید سے متعلق ہے۔ تبسم کاشمیری ادبی تاریخ نویسی کے لیے بھی تاریخ نویس کا اچھی تحقیقی و تنقیدی صلاحیت و ذوق کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون سے آگاہ اور واقف ہونے پر زور دیتے ہیں۔

اُردو ادب کی تاریخ لکھنے کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوا۔ اس سے قبل تذکروں، ملفوظات، مکتوبات اور بیاضوں ہی میں اُردو ادب کی تاریخ کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد کی آبِ حیات (۱۸۸۰ء) کو اُردو ادب کی تاریخ میں اولیت حاصل ہے، مگر اسے مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا کہ آبِ حیات میں شعرا اور نثر نگار ادیبوں کو الگ الگ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ بیسویں صدی میں اُردو ادب کی تاریخ لکھنے کا آغاز گراہم بیلی اور رام بابو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

سکسینہ نے کیا۔ گراہم بیلی کی تاریخ میں ادبی اندازِ تحریر ہے جبکہ رام بابو سکسینہ کی کتاب میں تحقیقی انداز ہے۔ گراہم بیلی نے تاریخ نویسی میں معروضیت سے کام لیا جب کہ رام بابو سکسینہ کے ہاں تفصیلات ملتی ہیں۔رام بابو سکسینہ کی کتاب (A History of Urdu Literature)۱۹۲۹ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی جس کا اُردو ترجمہ ۱۹۶۹ء میں مرزا محمد عسکری نے تاریخ ادب اُردو کے عنوان کے تحت کیا۔اس کے بعد اُردو ادب کی تاریخ نویسی کا رواج ہوا اور بیسویں صدی کے اختتام تک اُردو کی ادبی تاریخ پر کم و بیش ۶۰ کتب منظر عام پر آئیں۔

بیسویں صدی میں اُردو ادب کی تاریخ کا ایک معقول ذخیرہ جمع ہوا اور اعلیٰ ادبی تواریخ لکھی گئیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی سے قبل اور مابعد تواریخ کثرت سے منظر عام پر آئیں۔ بیسویں صدی میں جو ادبی تواریخ لکھی گئیں اُن میں روایتی تکنیک اور اسلوب میں ڈاکٹر سلیم اختر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۱ء)، ملک محمد حسن اختر کی تاریخ ادب اردو (۱۹۷۹ء)، محمد حسن کی قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ (لکھنؤ: اتر پردیش، ۱۹۸۶ء)، عبدالقادر سروری کی اُردو کی ادبی تاریخ (سری نگر: گلشن پبلشرز، ۱۹۸۷ء)، احتشام حسین کی اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ (لاہور: مکتبہ خلیل، ۱۹۸۹ء)، انور سدید اُردو ادب کی مختصر تاریخ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان ، ۱۹۹۱ء)، کرناٹک اُردو اکیڈمی اکادمی تاریخ ادب اُردو (کرناٹک بنگلور: کرناٹک اُردو اکادمی، ۱۹۹۴ء)، سیدہ جعفر، گیان چند تاریخ ادب اردو پانچ جلدیں (دلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۱۹۹۸ء)، محمد حسن اُردو ادب کی سماجیاتی تاریخ (دلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو، ۱۹۹۸ء) شامل ہیں۔ایک تو ان تواریخ میں سے کچھ مقابلے کے امتحانات کی تیاری کی غرض سے مختلف پبلشرز کی طرف سے فرمائشی طور پر لکھوائی گئیں۔ دوسرے بیشتر تواریخ میں ادبیت کی چاشنی کا فقدان ہے۔ کچھ تواریخ میں محض حقائق کی دریافت کو ہی مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ ان تواریخ میں مؤرخین کا تاریخی و ذہنی شعور اور ذاتی پسند ناپسند کے ذریعے اُن کی ذاتی شخصیت کا کردار بھی کار فرما نظر آتا ہے یا پھر تاریخ لکھتے وقت عالمی سطح پر عہدِ حاضر کی مروجہ تاریخ نویسی، تحقیق اور تنقیدی نظریات و تصورات زیادہ تر ادبی مؤرخین کے پیشِ نظر نہیں تھے۔ان میں سے کسی بھی تاریخ کو ایک مکمل ادبی تاریخ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

اکیسویں صدی کے آغاز میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ اُردو ادب کی تاریخ، ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک (۲۰۰۳ء) میں منظر عام پر آئی۔اس سے قبل ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل ۱۹۸۷ء، جلد دوم ۱۹۹۴ء) کی دو ضخیم جلدیں شائع ہو چکی تھیں۔ جمیل جالبی کی تاریخ تاریخ ادب اردو کو مشفق خواجہ نے اُردو ادب

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی پہلی باقاعدہ تاریخ قرار دیا ہے کیوں کہ اس سے قبل لکھی گئی ادبی تواریخ اپنی ساخت کے اعتبار سے جدید ادبی تاریخ نگاری کے تقاضوں کو پورا نہ کرتی تھیں یا پھر صارفین کی ضروریات کے تحت شائع کی گئی تھیں۔اس ضمن میں مشفق خواجہ اپنے مضمون " اُردو کی پہلی تاریخ" میں رقم طراز ہیں:

> " اگر میں یہ کہوں کہ جمیل جالبی کی " تاریخ ادب اُردو" اُردو ادب کی پہلی تاریخ ہے تو یہ بات کچھ بے جا نہیں ہو گی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ادب کی جو تاریخیں اب تک لکھی گئی ہیں وہ بیکار ہیں۔مجھے اس قسم کی کتابوں کے کار آمد ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ ادبی تاریخیں نہیں ہیں۔ادبی تاریخوں کے نام پر لکھی جانے والی یہ کتابیں، پرانی تذکرہ نگاری کی حدود میں رہتے ہوئے لکھی گئی ہیں"۔[۱]

مشفق خواجہ کا کہنا یہ ہے کہ جمیل جالبی سے قبل لکھی گئی تمام ادبی تواریخ تذکرہ نگاری کی حدود میں رہتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تذکروں میں شعرا کا ذکر حروفِ تہجی کی ترتیب کے تحت ہوتا تھا۔اُن کے نزدیک ان تمام کتب میں ادوار قائم کر کے تذکرہ نگاروں کے بیانات کو دہرایا گیا ہے۔اگر کچھ نئی معلومات کا اضافہ کیا بھی گیا ہے تو اس سے تاریخ ادب نہیں بنتی بلکہ تذکرہ نگاری ہی کو فروغ ملتا ہے۔تاریخ ادب میں تذکروں کی اہمیت مسلّم مگر تذکرے تاریخ ادب کا بنیادی ماخذ تو بن سکتے ہیں،اس کا نعم البدل نہیں قرار پا سکتے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو پہلی بار ادبی تاریخ نویسی کے بنیادی خطوط اور جدید قواعد و ضوابط پر پوری اُترتی دکھائی دی۔اسی ضمن میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ کو دیکھا جائے تو اسے اُردو کی دوسری باقاعدہ ادبی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ تبسم کاشمیری نے بھی تاریخ نویسی کے جدید اصولوں کو برتا ہے۔

تبسم کاشمیری نے فرانس کے انلیس سکول(Annales school) کے زیر اثر مختلف ادبی ادوار کا تجزیہ کرتے ہوئے تاریخ کو محض ادب تک محدود رکھنے کے بجائے سماجی علوم،سیاسی تاریخ اور تہذیبی و ثقافتی عوامل کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔یہاں تک کہ جہاں دیگر علوم جیسے نفسیات،دیومالا اور فلسفے کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اُن سے بھی بخوبی استفادہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اردو ادب کی تاریخ کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہ دونوں ادبی تواریخ ادبی تاریخ نویسی کے جدید اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تحریر کی گئی ہیں لیکن ادب کا تاریخی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

وژن فراہم کرنے میں ایک دوسرے سے مختلف معلوم ہوتی ہیں۔ دونوں مؤرخین تحقیق اور تنقید کے اشتراکِ عمل کے قائل ہیں اور اُردو ادب کو ایک مخصوص نقطۂ نظر سے دیکھنے میں کچھ باتوں پر متفق بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان دونوں مؤرخین کا مواد کے انتخاب کا عمل اور جمالیاتی معیارات کا نظام ایک دوسرے سے جُدا دکھائی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ دونوں ادبی تواریخ قارئین کو اُردو ادب کا الگ الگ وژن فراہم کرتی ہیں۔

اس ضمن میں اگر دیکھا جائے تو ڈاکٹر جمیل جالبی میرزا محمد رفیع سوداؔ کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی نے سوداؔ کی شاعری کے مقام اور اُن کی قدر و قیمت کا تعین اُس عہد کی درباری تہذیب کے حوالے سے کیا جبکہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا چونکہ عوامی تہذیب کی جانب رُجحان غالب ہے لہٰذا اُنھوں نے اسی تناظر میں سوداؔ کی شاعری کا تجزیہ کر کے اُن کا ادبی مقام متعین کیا۔

اسی طرح ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے عوامی شاعر نظیرؔ اکبر آبادی کے کلام کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے شہر آشوب پر خاص توجہ دی ہے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے نظیرؔ کی غزل میں جنسی واردات کے مختلف مناظر کا مطالعہ نہایت خوبی سے پیش کیا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ایک تو باقاعدہ جلّی عنوان کے تحت نظیرؔ کے شہر آشوب کا ذکر نہیں کیا، دوسرے اُنھوں نے نظیرؔ کی غزل کے فنی مطالعہ پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ہے کیونکہ وہ شعرا کے لسانی مطالعات میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں جبکہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری زبان و بیان کے بجائے جذباتی، نفسیاتی، سماجی اور دیگر حوالوں میں زیادہ دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ یوں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بلاشک و شبہ ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا وژن اور مطالعاتی نتائج بہت حد تک ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ کی موجودگی میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ کا مطالعہ اردو ادب کا ایک الگ وژن فراہم کرنے میں مدد گار ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ جدید طرزِ تاریخ کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ اُنھوں نے ادبی تاریخ کو وسیع تر و جدید تر تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں سید اظہر علی لکھتے ہیں:

> ”یہ ادبی تاریخ کلاسیکی اور روایتی نظریہ ادبی تاریخ کے بالکل برعکس جدید تاریخ نویسی کے نظریات اور افکار سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ادبی تاریخ کا تعلق اس مکتبہ فکر سے ہے جو ادبی تاریخ کو ایک وسیع تناظر میں دیکھنے کا قائل ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری

نہ صرف ادبی تاریخ کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں بلکہ وہ ادبی تاریخ کی تعبیر کے لیے جدید علوم جیسے اقتصادیات، فلسفہ اور نفسیات سے بھی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں"۔ ۲

تبسم کاشمیری نے نہ صرف یہ کہ ادبی تاریخ نویسی کے جدید بنیادی اصولوں پر اُردو ادب کی تاریخ مرتب کی بلکہ اس کتاب کے پیش لفظ میں اُردو ادب کے مؤرخین اور قارئین کے لیے جدید ادبی تاریخ نویسی کے اصولوں اور ادبی مؤرخین کے فریضوں پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

بیسویں صدی میں تاریخی تصورات میں انقلابی تبدیلیاں فرانس کے انیلس دبستان (Annales School) سے آغاز ہوئی تھیں۔ اس دبستان کے مؤرخین نے تاریخ کو اُس کے محدود کلاسیکی تصور سے نجات دلوا کر اسے ایک وسیع تر علمی معنویت عطا کی۔ فرانسیسی انلیس دبستان نے یہ زور دار آواز بلند کی تھی کہ تاریخ میں اب شعبہ جاتی مطالعات کا دور گزر چکا ہے یعنی کسی خاص عہد کی سماجی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے دوسرے متعلقہ علوم و فنون سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔ تبسم کاشمیری نے خود بھی انلیس دبستان کے زیر اثر تاریخ مرتب کرتے ہوئے اُس عہد کے دیگر سماجی علوم و فنون سے بھرپور استفادہ کیا اور ایک وسیع تناظر میں ادبی تاریخ کو دیکھنے کا تصور پیش کیا۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری ایک نیا نظریہ پیش کرتے ہیں کہ متون کے مواد اور تجزیہ سے صرف واقعات اور سنین کو ہی برآمد نہیں کیا جاتا بلکہ اس تجزیہ سے کسی مسئلہ کے حوالے سے تحقیقی حقائق بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اُردو ادب کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے اس کی عملی مثال فراہم کی ہے۔ محمد حسین آزادؔ اور دیگر تلامذۂ ذوقؔ کا یہ دعویٰ رہا کہ بہادر شاہ ظفرؔ کے دواوین ذوقؔ کی تخلیق ہیں یا ان کا کثیر حصہ ذوقؔ کا تصنیف کردہ ہے۔ اس دعویٰ کی اشاعت میں آزادؔ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ آخر کار اس دعویٰ کا طلسم بیسویں صدی میں ٹوٹا۔ اُردو ادب کے ناقدین کو محسوس ہوا کہ ذوقؔ و ظفرؔ کے بارے میں آزادؔ کی بنائی ہوئی کہانیاں مبالغہ آمیز ہیں۔ تبسم کاشمیری نے ان دونوں شعرا کے کلام کی داخلی شہادتوں کی مدد سے ان کے جُداگانہ شعری مزاج کے دلائل پیش کیے۔ آزادؔ نے استاد پرستی کے زور میں ظفرؔ پر جو الزام لگایا تھا، آج وہ بے حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ آج ذوقؔ کا کلام پس منظر میں جا چکا ہے اور ظفرؔ کا کلام اپنی شعریت اور معنویت کے باعث بیسویں صدی میں زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ تبسم کاشمیری اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

" ظفرؔ کی انفرادیت کو دیکھنے کے لیے اس کی شعری ذات کو تلاش کیجیے جو خالصتاً اس کی اپنی ہے۔اس منفرد شعری ذات کا ذوقؔ کی عطا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ظفرؔ کی شعری ذات میں تنہائی، اداسی اور یاسیت کی ایک رت چھائی رہتی ہے۔ذوقؔ اس رت کے طرزِ احساس ہی سے محروم ہے جب کہ یہی طرزِ احساس ظفرؔ کی کلیدی شناخت بن جاتا ہے۔وہ شاعری جو ظفرؔ کی شناخت بنتی ہے،اس کا ذوقؔ کی شعری روایت سے کوئی تعلق نہیں بنتا ہے۔تنہائی، بے قراری، قیدِ وجود، احساسِ اسیری اور ذات کی اتھاہ گہرائیوں سے جھانکتی ہوئی اداسی ظفرؔ کی شناخت ہے"۔ ۳۳

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ان دونوں شعرا کے شعری متون کے تفصیلی تقابلی جائزے سے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں ظفرؔ کے ایک طویل عرصہ تک ذوقؔ کی شاگردی میں رہنے کے باوجود ظفرؔ کے رنگِ سخن میں زبان و بیان کے ساتھ ساتھ شاعری کے ایک ایسے رنگ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، جس کا تعلق حقیقی شاعری سے ہے۔یہ وہی شاعری ہے جس میں میرؔ، دردؔ اور مرزا مظہرؔ کی روایات موجود تھیں۔اسی بنا پر ذوقؔ جیسے تناور شاعر کے سائے میں رہتے ہوئے بھی ظفرؔ اپنی انفرادیت سے محروم نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ادبی تاریخ لکھتے ہوئے تحقیق و تنقید کو باہم آمیز کر دیا ہے۔وہ کامل تحقیق کا وہی تصور رکھتے ہیں جو ٹائرس ہل وے(Tyrus Hillway)نے اپنی کتاب An Introduction to Researchمیں پیش کیا ہے۔اس تصور کے مطابق کامل تحقیق حقائق کی تلاش اور تنقیدی تشریح و توضیح کے امتزاج سے ہی وجود میں آتی ہے۔چنانچہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری دیگر بعض مؤرخین کی مانند محض شعرا اور ادبا کے احوال و آثار سے متعلق بنیادی معلومات درج کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر عہد اور اس کے نمائندہ اور رُجحان ساز شعرا اور ادبا پر تنقیدی محاکمہ پیش کرتے ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے ان تنقیدی محاکموں میں موجود تجزیاتی انداز کے تنوع کا اندازہ لگانے کے لیے ایک مثال باب نمبر ۱۴ "داستانی ادب کا ظہور" سے دی جاتی ہے جہاں ڈاکٹر تبسم کاشمیری " باغ و بہار" کے شہزادوں اور شہزادیوں کے حوالے سے اس عہد کے زوال کو ثابت کرتے نظر آتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"باغ و بہار کے شہزادوں اور شہزادیوں کے بارے میں ایک تاثر یہ ہے کہ ان میں شہزادگی کی کوئی تمثال نہیں ملتی..... مسئلہ یہ ہے کہ شہزادوں میں روایتی شہزادگی کی عظمت اور شکوہ کے فقدان کا سبب اٹھارہویں صدی کا ہمہ گیر زوال ہے جس میں شخصی، اجتماعی اور ریاستی اقدار کا زوال واقع ہوتا ہے..... اٹھارھویں صدی میں زوال کے سبب معاشرے میں صرف شہزادے شہزادیاں ہی نہیں عمومی آرکی ٹائپل کردار بھی اپنی بنیادی خوبیوں سے عاری ہو چکے تھے....."۔ ۴

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ میں اُن کے تنقیدی محاکموں میں تنوع اُن کے اردو ادب کے ساتھ ساتھ مختلف النوع علوم و فنون سے گہری دلچسپی اور واقفیت کا ثبوت ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فخر الحق نوری رقم طراز ہیں:

"ادب کے سنجیدہ قارئین ان کے اخذ کردہ نتائج سے تو اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ تبسم کاشمیری ایک وسیع المطالعہ مؤرخ ہیں اور ادبی تغیرات کی تفہیم و تحسین کے مرحلے مختلف النوع علوم و فنون کو بروئے کار لا کر طے کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تجزیے یک رخے اور ایک سطحی نہیں ہیں بلکہ کئی جہتوں اور متعدد سطحوں کے آئینہ دار ہیں۔ مزید کہ ان کا وژن بہت کشادہ اور فراخ (Broad) ہے اور وہ اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہوئے کسی معین اخلاقیات کے جبر کا شکار بھی نہیں ہوتے۔ یوں وہ جو محسوس کرتے ہیں، کہہ گزرتے ہیں۔ محتسب کا حقیقی یا فرضی خوف انھیں اپنا موقف بیان کرنے سے روک نہیں پاتا"۔ ۵

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تنقیدی محاکے پیش کرتے ہوئے قدیم و جدید تنقیدی معیارات کو یکساں طور پر برتتے ہوئے توازن قائم رکھا ہے۔

اُردو ادب کے بعض مؤرخین نے اپنی تواریخ میں شاعری اور نثر کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر سیاسی اور سماجی پس منظر کے ساتھ شاعری کی تاریخ نسبتاً تفصیل سے جبکہ نثر کی تاریخ کو سرسری طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر تبسم کاشمیری شاعری اور نثر دونوں کو ہی تخلیقی اظہار کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے پہلے باب میں زبان کا ابتدائیہ تحریر کرنے کے بعد دوسرے باب سے اُنیسویں باب تک اُردو ادب کے ابتدائی ادوار سے لے کر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک لکھی گئی شاعری اور نثر کا جائزہ ساتھ ساتھ پیش کیا ہے۔باب نمبر ۶ بعنوان " گولکنڈہ: قطب شاہی دور کا ادب(۱۶۸۷ء۔۱۵۱۸ء) میں اُنھوں نے وجہی کی مثنوی " قطب مشتری" کا تجزیہ کیا ہے تو اس کے بعد ان کی داستان " سب رس" کا بھی بیان کیا ہے۔اسی طرح اٹھارھویں باب بعنوان "دلی کی بزم آخر" میں مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کی شاعری کے تفصیلی تذکرے کے ساتھ ہی اُن کے مکاتیب کا محاکمہ بھی کیا ہے۔اس کے علاوہ ایک اور اہم خوبی کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ابواب بندی کرتے ہوئے شاعری اور نثر میں تفریق کیے بغیر زمانی ترتیب کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے تاکہ ادب کی کلّیت برقرار رہے۔چنانچہ باب نمبر ۲ بعنوان " شمالی ہند میں ابتدائی زبان و ادب کا جائزہ" میں مسعود سعد سلمانؔ لاہوری کے بعد بابا فریدؔ، امیر خسروؔ اور کبیرؔ کا ذکر زمانی ترتیب سے کیا ہے تو باب نمبر ۱۲ بعنوان " ادبی روایت کی توسیع: لکھنؤ ایک نیا ادبی مرکز" میں میر حسنؔ کے بعد مصحفیؔ، انشاؔ، جرأتؔ اور رنگینؔ کا ذکر زمانی ترتیب سے کیا ہے اسی طرح تمام ابواب کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے زمانی ترتیب کے اعتبار سے تمام شعرا اور نثر نگاروں اور اُن کی تخلیقات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے اختیار کردہ اس طریق کار سے ایک طرف ہر دور کی شاعری اور نثر کو یکساں طور پر مخصوص سیاسی و سماجی پس منظر کے تناظر میں سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور دوسری جانب ہر دور کی مکمل ادبی شناخت کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اُردو ادب کے قارئین کی سہولت کی خاطر اپنی تاریخ آخری صفحات میں دکن کی بہمنی سلطنت، مغلیہ دورِ حکومت، اودھ، بیجا پور، گولکنڈہ اور نظام شاہی ریاست احمد نگر کے حکمرانوں کے دور حکومت کی زمانی ترتیب اور سنین کی تفصیلات مہیا کی ہیں۔اسی طرح اُنھوں نے اُردو میں مقامات، کتب اور اسما و ادارہ جات کے علیحدہ علیحدہ اشاریے اور انگریزی میں کتب اور ایک مجموعی Index بھی دیا ہے۔یوں ان اشاریوں سے مطلوبہ مواد تک رسائی سہل ہو گئی ہے۔مزید یہ کہ تاریخ میں شامل کیے گئے نقشہ جات سے مختلف ادوار میں اُردو زبان و ادب کے فروغ پانے والے مقامات و مراکز کے حدود و اربعہ کے جاننے میں بھی آسانی ہو گئی ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا مضمون "اُردو ادب کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟"[۶] خاصا اہمیت کا حامل ہے۔انیس ناگی اپنی کتاب پاکستانی اردو ادب کی تاریخ میں اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> " ان کا اہم تحقیقی کارنامہ اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک ہے۔ تبسم کاشمیری کی یہ ادبی تاریخ جمیل جالبی کی ادبی تاریخ سے قدرے مختلف ہے۔۔۔۔انھوں نے دکنی ادب

کے قدیم دکنی متون کا تفصیل سے مطالعہ کیا ہے۔قدیم بادشاہوں،شہروں کے نقشے اور مخطوطوں کی تصاویر بھی فراہم کی ہیں ۔مختلف ادبی ادوار کے خصائص کا تعین کرتے ہوئے انھوں نے تاریخی اور معاشرتی تاریخ کے امتزاج سے ہر عہد کے تخلیقی محرکات کا بھی جائزہ لیا ہے"۔ے

تبسم کاشمیری نے اپنے اس علمی و ادبی منصوبے کے جملہ پہلوؤں پر غلبہ پانے کی خاطر سب سے پہلے تمام ممکن الحصول ماخذات و مصادر تک رسائی حاصل کی ۔ان ماخذات و مصادر میں اُردو ادب کی اب تک لکھی گئی ادبی تواریخ کے علاوہ شعرا اور نثر نگاروں کے تذکرے،سیاسی و سماجی تواریخ،کلیات و دواوین، نثری تصانیف، مختلف لسانی و ادبی موضوعات سے متعلقہ تحقیقی و تنقیدی کُتب، مختلف علوم و فنون جیسے فلسفہ و نفسیات،بشریات ،اقتصادیات پر مبنی کتب،اساطیری و مذہبی تحریریں اور مختلف ادبی ادوار کی تہذیب و ثقافت سے متعلقہ تصویری کتب شامل ہیں۔ان متنوع اور مختلف ماخذات و مصادر کی وسعت کا اندازہ کتاب کے آخر میں فرہم کردہ کتابیات سے لگایا جاسکتا ہے۔اس فہرست کتب کے مطابق ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تین سو اٹھاون(۳۵۸)اُردو کتب اور چوراسی(۸۴) انگریزی کتب سے استفادہ کیا ہے اور اگر اس فہرست میں کچھ کتب کی جلدوں کے حوالے سے اضافہ کر دیا جائے تو اس تعداد میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ان کُتب میں بہت سی ایسی بھی ہیں جو نئے ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں اور اس سے قبل کسی اُردو ادب کی تاریخ میں استعمال نہیں ہوئیں۔ان میں سے بیشتر کُتب انگریزی زبان میں اور غیر ہندوستانیوں کی تصنیف کردہ ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گھسی پٹی، فرسُودہ اور بار بار دُہرائی جانے والی باتوں سے گُریز کرتے ہوئے تمام ادبی ادوار کے ابواب قرینے سے لکھ پائے۔ایک اہم بات مزید یہ کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری جاوبے جاشعری و نثری اقتباسات کے اندراج سے گُریز کرتے ہوئے ثانوی ماخذات پر اکتفا کرنے کے بجائے اصل متون کو تلاشنے کے بعد مثالوں کا انتخاب کرتے ہیں۔بہت ہی کم ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں مجبوراً اُنھوں نے متن کی مثالیں ثانوی ماخذات سے دی ہوں۔اس طریق کار سے تحقیقی دیانت داری کے ساتھ ساتھ نتائج کے استخراج میں بھی نیا پن پیدا ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے اُنھوں نے اپنی متخیلہ سے کام لیتے ہوئے اردو ادب کی تاریخ کو تاریخ سے زیادہ ایک داستان کی مانند تحریر کیا ہے۔اس تاریخ کا اسلوبِ نگارش اور زبان و

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

بیان تخلیقی یعنی داستانوی اندازِ بیان سے جا ملتی ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنے متخیلہ سے کام لیتے ہوئے تاریخی شخصیات کو تاریخ کے اوراق پر ادبی کردار بنا کر پیش کیا ہے۔ اُنھوں نے اردو ادب کی تاریخ کی نامور شخصیات کے دھڑکتے ہوئے دلوں اور سانس لیتے وجودوں کے باطن میں جھانک کر اُن کے رنج و غم کی الم ناک تاریخ بھی رقم کر دی ہے۔ اُن کی تاریخ سے قوتِ متخیلہ کے استعمال کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر سرِ دست دلی کی بزمِ آخر کے باب میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے دادا شاہ عالم ثانی کے غلام قادر روہیلہ کے ہاتھوں مکحول کیے جانے کے واقعہ کو ڈرامائی انداز میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ”۹ اگست ۱۷۸۸ء کو دلی کے لال قلعہ میں مغل شہزادوں اور شہزادیوں میں ایک کہرام برپا تھا۔” ہائے شاہ عالم! ہائے شاہ عالم!!“ کی پُر درد صدائیں اٹھ رہی تھیں۔ شاہ عالم ثانی کی دونوں آنکھیں نوکِ خنجر سے نکالی جاچکی تھیں اور وہ فرش پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر مدد کے لیے فریاد کر رہا تھا۔ غلام قادر روہیلہ انتہائی سنگ دلی سے خنجر ہاتھ میں تھامے اس کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس وقت بہادر شاہ ظفرؔ ہنوز شہزادہ تھا اور اس کی عمر تیرہ برس تھی۔ وہ بھی شاہی خاندان کے ساتھ اپنے دادا کے مکحول کیے جانے پر گریہ زاری کر رہا تھا۔ اس کی زندگی کا یہ پہلا بڑا المیہ تھا“۔[۸]

اُردو ادب کی تاریخ کا یہی وہ انداز ہے جو ماضی کی تاریخ کو ہماری نگاہوں کے سامنے زندہ کر دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ڈاکٹر تبسم کاشمیری بحیثیت ادبی مؤرخ تاریخ، تاریخی کرداروں، ان کی مجالس اور محافل میں شامل ہیں۔ اُن کا یہ انداز اس تاریخ کے قاری کو بھی تاریخ اور تاریخی کرداروں سے اجنبیت محسوس نہیں ہونے دیتا۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اُردو ادب کی تاریخ میں معروضی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ کسی بھی باب میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے مواد کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی ذاتی پسند ناپسند، ذاتی تاریخی شعور اور ذہنی بصیرت کا کردار غالب نہیں آنے دیا اور بطور ایک ادبی مؤرخ اپنے کام میں متوازن رویہ اختیار کیا ہے۔ اس متوازن رویے کو اپنا کر اُنھوں نے اپنے کام میں حُسنِ انتخاب کا رستہ منتخب کیا ہے اور حُسنِ انتخاب سے اُن کے ہاں حُسنِ نظر پیدا کیا ہے۔ یہی وہ حُسنِ نظر ہے جو ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ کو ایک خشک شے کے بجائے دلچسپ اور قابلِ مطالعہ بناتا نظر آتا ہے۔ اس

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

میں اُن کا وسیع مطالعہ اور شاندار تاریخی ذوق و شوق کا عنصر بھی کار فرما ہے۔ اُنھوں نے تاریخ نویسی سے قبل جدید تاریخ، تحقیق اور تنقید سے متعلقہ جدید نظریات اور تصورات کا جو مطالعہ کر رکھا تھا، اُسے بھی اپنے کام میں عمدہ طور پر سر انجام دینے میں استعمال کیا۔ جیسے بیسویں صدی میں تاریخ کے ایک اہم نظریہ ساز ای۔ ایچ۔ کار (E.H.Car) کے نظریات و تصورات سے اُنھوں نے کافی استفادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ میں قاری کو اردو ادب کے نئے وژن سے متعارف کرانے کے حوالے سے دکنی دور اور لکھنوی دبستان سے متعلقہ ابواب نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جہاں اُنھوں نے محمد قلی قطب شاہ کی داستانی محبوبہ بھاگ متی یا حیدر محل سمیت اُن کی بارہ پیاریوں اور اُس کے عیش و عشرت کا احوال تفصیلاً بیان کیا ہے وہیں لکھنوی شعرا کی جنسیت پر مبنی شاعری کا ذکر بھی بہت کُھل کر کیا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے لکھنوی دبستان اور تہذیب میں جنس اور جنسی مظاہر کے بیان کو اس عہد میں لکھنؤ کے معاشی نظام سے جڑا ہوا قرار دیا ہے۔ وہ لکھنؤ کی شاعری کو اس سماجی اور ثقافتی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی وہ پروردہ تھی۔ لکھنؤ کی شاعری میں جنس کا کھلے عام اظہار کیا جاتا تھا جب کہ شمالی ہند میں یہ اظہار تہذیب کے پردوں میں کیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس لکھنؤ کے جغرافیائی اور معاشی و سماجی اسباب کے تحت جنس کے اظہار کو صحت مند سماج کی علامت تصور کیا گیا اور جنس میں دل چسپی اور اس سے ترفع کے حصول کو معاشرے کے لیے صحت مندی سمجھا گیا۔ اسی لیے لکھنؤ کی تہذیب میں طوائف اور بالخصوص ڈیرہ دار طوائف ایک تہذیبی علامت کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ یہاں تک کہ شرفا اپنے بچوں کو تعلیم و تہذیب کی غرض سے طوائفوں کے ہاں بھیجا کرتے تھے۔ واجد علی شاہ کے دورِ حکومت میں سیاسی مجہولیت سب سے زیادہ بڑھ گئی تھی مگر ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے نزدیک یہ دور ثقافتی میدان میں بہت فاعل رہا اور جنس اس دور کا تہذیبی استعارہ بن گئی تھی، لہٰذا واجد علی شاہ کا دور لکھنؤ کی جنسی ثقافت (Erotic Culture) کا زریں دور کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھنو کی شاعری میں اس بنا پر جنس کے موضوع کو بیان کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں اس موضوع کو ثقافت کا استعارہ سمجھا جاتا تھا، مگر متبذل سطح کی شاعری اُن کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ وہ لکھنوی شاعری کا معروضی تجزیہ کر کے اُن تعصبات کی دیواروں کو گرانے کے خواہش مند تھے جو اُردو ادب کے ناقدین نے لکھنوی دبستان کے خلاف اٹھا رکھی تھیں۔ اس ضمن میں اُن کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اب تک لکھنوی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

دبستان کو شمالی ہند کے شعری معیارات سے جانچا اور پرکھا گیا ہے اور معروضیت سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ اُن کا کہنا ہے:

> ”ماضی میں شمالی ہند کے نقاد دبستانِ لکھنؤ کے ساتھ بہت سے تعصبات رکھتے تھے۔ اس لیے دبستان لکھنؤ کا جائزہ معروضی طور پر نہیں لیا جا سکا ہے.... ادب کی تاریخ میں لکھنؤ کی شاعری اور تہذیب کے خلاف تعصبات کی ایک دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔ ہماری دانش گاہوں کے اساتذہ نے بھی اس دیوار کو پختہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ تاریخ ادب کی تدریس میں طلبہ کے ذہن ان تعصبات سے آلودہ کیے جاتے ہیں اور جب وہ طلبہ دانش گاہوں سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں دبستان لکھنؤ بہت سی منفی روایات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے اور وہ اس دبستان کو بہت سی غیر انسانی خصوصیات کا ترجمان قرار دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے“۔9

جیسا کہ اس اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری دبستان لکھنؤ کا ایسا معروضی مطالعہ پیش کرنا چاہتے تھے، جس سے وہ اب تک محروم رہا ہے۔ دبستان لکھنؤ کا ایک حصہ عامیانہ اور متبذل ضرور تھا مگر محض اس حصے کو اساس بنا کر پورے دبستان پر یہ الزام لگانا درست نہیں ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری قطعاً دلی کے شعری معیارات کی بنیاد پر دبستان لکھنؤ کی شاعری کو جانچنے یا پرکھنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اُنھوں نے اس شاعری کے ادبی مقام و مرتبے کا تعین کرنے کے لیے اسی تہذیب و معاشرت (جسے وہ عورت کی تہذیب کہتے ہیں) سے ہی اخذ کیے ہیں، جس میں یہ شاعری تخلیق ہوئی تھی۔ یوں ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے پہلی بار لکھنوی دبستان کی شاعری کو اُس کے درست تناظر میں دیکھنے کی سعی کی ہے اور ادبی دنیا کو بھی اس سے متعارف کروایا ہے۔

اُردو ادب کی تاریخ بہت سے مؤرخین نے لکھی ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ ایک اچھی تاریخ لکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر چند لوگ ادب کی تاریخ کو کرافٹ کا درجہ دے دیتے ہیں۔ ان چند میں سے بھی کچھ ادبی تاریخ کو آرٹ کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادبی تاریخ آرٹ فارم کیسے بن جاتی ہے؟ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

'' میرے نزدیک ایک اچھی ادبی تاریخ وہی ہے جو آرٹ فارم تک جا پہنچتی ہے۔ یہ وہی بات ہے کہ کچھ سرجن تو جراحی کرتے ہیں مگر چند سرجن جراحی کو آرٹ بنا دیتے ہیں۔ ادبی تاریخ کو آرٹ فارم بنا دینا اور جراحی کو آرٹ فارم بنانے میں جس چیز کا دخل ہے وہ کسی فرد کی مخصوص فنی صلاحیت کا مظاہرہ ہے''۔ ۱۰؎

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ میں ہمیں یہ سب بین الشعبہ جاتی علوم و فنون اور اُن کی ذاتی مخصوص انفرادی صلاحیت کا بہترین و حسین امتزاج نظر آتا ہے، جس کی بدولت اُن کی لکھی ہوئی تاریخ آرٹ فارم کے مقام تک پہنچتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اُردو ادب کی تاریخ اپنے اسلوب کے حوالے سے بھی جاذبِ توجہ ہے۔ ایک شاعر ہونے کے ناطے وہ الفاظ کے تخلیقی استعمال اور فکشن لکھنے میں دل چسپی رکھنے کی بنا پر کہانی کہنے کے فن سے بھی آشنا ہیں۔ ادبی تاریخ نگاری کی ان باتوں کے ساتھ ایک حد تک مناسبت بھی ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے ادبی تاریخ لکھتے ہوئے ایسا علمی اسلوب اختیار کیا ہے، جس میں ان سب پہلوؤں کی آمیزش محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن کی رائے اس حوالے سے یہ ہے:

''جو بات اس تاریخ کی دل آویزی میں مزید اضافہ کرتی ہے وہ اس کا شگفتہ اسلوب ہے جو تحقیق کی خشکی کے بجائے ادبی تاریخ میں تفہیم اور تجزیے کی روشنی پیدا کرتا ہے اور مصنف کی تاریخ، تحقیق اور تنقیدی شعور تینوں کے مزاج سے نیا مرکب تیار کرتا ہے۔ یہی نہیں اس ضمن میں بعض ادبی تصانیف کے سلسلے میں تخلیقی تنقید کا اسلوب بھی بہت ہی دل کش اور بلیغ ہے''۔ ۱۱؎

اس ضمن میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تاریخ سے کچھ مثالیں شامل کر لینا مناسب ہو گا۔ محمد قلی قطب شاہ کی جنس نگاری اور اُس کے تصورِ شاعری کا ذکر کرتے ہوئے تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

'' ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس نے (قلی قطب شاہ نے) ہمارے ادب کو سچ بولنے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا''۔ ۱۲؎

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

لکھنوی تہذیب و ثقافت کے پس منظر میں دبستانِ لکھنؤ کی خصوصیات اور شعری تخلیقات کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''فکری اور عسکری مجہولیت کے نتیجہ میں لکھنؤ کی تہذیب نے اپنی معاشرتی فعالیت کو ثقافتی سطحوں پر بحال کرنے کی کوششیں کیں۔ وہ قوت اور توانائی جو فکر و عمل اور عسکری زندگی میں صرف نہ ہو سکتی تھیں اب فن اور ثقافت کے میدان میں صرف ہونے لگیں''۔ ۱۳؎

اس انداز و اسلوب کے جامع اور بلیغ بیانات نہ صرف ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی بصیرت اور بلاغت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اُس عہد کی مختلف ادبی تحاریک اور میلانات کو سمیٹ کر ایک واضح صورت میں یکجا بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس تمام عمل پر جدید ادبی مؤرخ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے شگفتہ اور عالمانہ اسلوب کی مہر ثبت ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے تکلّف سے عاری اور دل چسپی پیدا کرنے والے عناصر سے معمور سلیس اور رواں دواں اندازِ تحریر اختیار کیا ہے، جس نے عالمانہ تحقیقی و تنقیدی عبارات کو بھی بوجھل اور ثقیل ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ متخیلہ سے کام لیتے ہیں مگر اُن کے یہاں متخیلہ کی رنگ آمیزی حقائق کی صحت کو مشکوک نہیں بناتی لیکن تخلیقی سطح کی کشش کا احساس ضرور ہوتا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے جب اُردو ادب کی تاریخ لکھنے کا آغاز کیا تو اُن کے پیش نظر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اُردو کا اُسلوب موجود تھا، جو کہ نہایت سنجیدہ، علمیت سے بھرپور، فاضلانہ تحقیقی شان کا حامل تھا۔ ان کے یہاں بھی جمیل جالبی کی طرح عالمانہ تحقیق و تنقید کا نہایت دلکش امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ انفرادی کاوشوں میں جمیل جالبی کے بعد اگر کوئی تاریخ تحقیقی و تنقیدی اصولوں کے اعتبار سے مستند ہے تو وہ تبسم کاشمیری کی تاریخ ہی ہے۔

تبسم کاشمیری نے اپنے عہد کے لیے ایک نئے وژن کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بطور ایک ادبی مؤرخ نہایت خوش اُسلوبی سے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ یوں اُن کی حیثیت بحیثیت ادبی مؤرخ مسلّم ہے اور وہ اپنے مُنفرد انداز اور جدید رُجحانات کی بنیاد پر جدید ادبی تاریخ نویسی کے میدان میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ چنانچہ یہ کہنے میں باک نہیں کہ جمیل جالبی کی تاریخ کے بعد دوسری اُردو کی باقاعدہ اور عالمانہ ادبی تاریخ تبسم کاشمیری کی اردو ادب کی تاریخ ہے۔

...☆...

حوالہ جات

۱۔ مشفق خواجہ، '' اُردو ادب کی پہلی تاریخ''، مشمولہ؛ ادبی تاریخ نویسی، مرتبین: ڈاکٹر سید عامر سہیل، نسیم عباس احمر، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹیو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء، ص:۴۵۳

۲۔ سید اظہر علی، ''ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی '' اردو ادب کی تاریخ'' کا تکنیکی مطالعہ '' ؛معیار، شمارہ ۷، اسلام آباد: بین الاقوامی یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء، ص:۲۹۳

۳۔ تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک،، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۷۶۸۔۷۶۷

۴۔ ایضاً، ص:۵۳۰

۵۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تاریخ: ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا تازہ کارنامہ''، مشمولہ؛ ادبی تاریخ نویسی، ایضاً، ص :۴۸۶۔۴۸۵

۶۔ انیس ناگی، پاکستانی اردو ادب کی تاریخ، لاہور: جمالیات، ۲۰۰۴ء، ص:۲۶۷

۷۔ تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، ایضاً،۔۔۔، ص:۷۶۵۔۷۶۴

۸۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، '' اردو ادب کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟''، مشمولہ، ''ادبی تاریخ نویسی''، ایضاً۔ ص۶۹ تا۹۶۔

۹۔ تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک ایضاً،۔۔۔، ص:۳۹۸

۱۰۔ تبسم کاشمیری، ''اردو ادب کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟ مشمولہ، ''ادبی تاریخ نویسی''، ایضاً،۔۔۔، ص:۹۲

۱۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی تاریخ: تبسم کاشمیری''، مشمولہ؛ ادبی تاریخ نویسی، ایضاً،۔۔۔۔ ص:۴۷۰

۱۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ، ایضاً،۔۔۔، ص:۱۶۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۳۸۷